سورۃ البقرۃ

آیات ۸۰ ـ ۸۲

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کیلئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث چار (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی علی الترتیب اللغۃ کیلئے ۱، الاعراب کیلئے ۲، الرسم کیلئے ۳ اور الضبط کیلئے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لئے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لئے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

© rasailojaraid.co

۲:۵۰ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ
اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ
تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰ بَلٰى مَنْ كَسَبَ
سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـــــَٔتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۲

© rasailojaraid.co

۲:۵۰:۱ اللغـــة

[وَقَالُوا] جس کا ترجمہ "اور انہوں نے کہا" بنتا ہے۔ مگر یہاں "یہود کے کردار اور ان کے عقائد" کی بات چل رہی ہے۔ اس لیے سیاق عبارت میں اس کا ترجمہ ماضی کی بجائے حال کے ساتھ کیا جا سکتا ہے یعنی "اور وہ کہتے ہیں"۔ "قالوا" (جو فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے) کے مادہ، وزن، باب فعل اور معنی وغیرہ پہلے کئی دفعہ گزر چکے ہیں مثلاً دیکھئے البقرہ: ۱۱ [۲:۹:۱(۴)]

۲:۵۰:۱(۱) [لَنْ تَمَسَّنَا] یہ فعل مضارع منصوب منفی بلَن "لَنْ تَمَسَّ" کے ساتھ ضمیر منصوب متصل "نا" (یعنی ہم کو) کا مرکب ہے اور "لَنْ تَمَسَّ" کا مادہ "م س س" اور وزن (پورے صیغے کا) "لَنْ تَفْعَلَ" ہے یعنی یہ دراصل "لَنْ تَمْسَسَ" تھا۔ پھر دونوں سین مدغم ہو گئے۔

● فعل مجرد اس مادہ سے "مَسَّ .... یَمَسُّ (دراصل مَسِسَ یَمْسَسُ) مَسًّا (سمع سے) سے آتا ہے اور اس کے اہم معنی ہیں: "..... کو چھونا (ہاتھ وغیرہ سے)، ..... کو ہاتھ لگانا" جیسے "لا یمسّہ الّا المطھّرونَ" (الواقعہ: ۷۹) میں ہے کہ "اسے نہیں ہاتھ لگاتے / چھوتے مگر باطہارت لوگ"۔ "مَسّ" میں زور اور شدت (سے چھونے) کا ــــ یعنی "چپک جانے" کا مفہوم ہوتا ہے (جیسے "لَمْس" میں ہلکے سے "چھونا" کا مفہوم ہوتا ہے) پھر مجازاً اور استعارہ میں "آلگنا، آپکڑنا" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے (یعنی جو دکھ یا سکھ انسان کو پہنچے) جیسے "مَسَّنِیَ الکِبَرُ" (الحجر: ۵۴) میں ہے یعنی "مجھ کو آ لگا بڑھاپا"۔ اسی طرح "اِذا مَسَّہُ الشَّرُّ" اور "اِذا مَسَّہ الخیرُ" (المعارج: ۲۰-۲۱) میں ہے (جب اس کو دکھ پہنچتا ہے / جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے) قرآن کریم میں اس کا زیادہ استعمال برائی، دکھ، عذاب، شر، آگ، تھکاوٹ، سختی وغیرہ کے ساتھ ہوا ہے۔ اگرچہ بھلائی (خیر، حسنۃ، سرّاء) کے ساتھ بھی آیا ہے مگر کم۔ اور کبھی یہ فعل بطور استعارہ مرد و عورت کے جنسی تعلق قائم ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے کہتے ہیں "مَسَّ المرأۃَ" (اس نے عورت کو چھوا یعنی اس سے جنسی تعلق رکھا) اور اسی معنی میں قرآن کریم میں ہے۔ "لم یَمْسَسْنِی بَشَرٌ" (مریم: ۲۰) یعنی "مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا) اور "مِنْ قبلِ ان تَمَسُّوھن" (الاحزاب: ۴۹) "یعنی رخصتی سے پہلے" اور "مَسّ الشیطان (شیطان کا آلگنا) "پاگل پن" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد کے مختلف صیغے ساٹھ کے قریب مقامات پر آئے ہیں اور باب تفاعل سے صرف ایک صیغہ دو جگہ آیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے مشتق و ماخوذ کلمات بھی دو تین جگہ وارد ہوتے ہیں۔

● "لن تمسّنا" میں فعل "لن تمسّ" کا صیغہ واحد مؤنث ہے کیونکہ اس کا فاعل "النار" (جو آگے آرہا ہے) مؤنث سماعی ہے۔ اس طرح "لن تمسنا" کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو" جسے بعض نے

© rasailojaraid.com

"ہم کو ہرگز نہ لگے گی (یعنی آگ جس کا آگے ذکر آ رہا ہے) سے ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے "ہمیں تو نہ چھوئے گی" سے ترجمہ کیا ہے جس میں "نفی جحد بلَن" (زور سے نفی کرنا) کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بعض نے اس "نفی بجحد" (زور سے انکار) کے مفہوم کی بنا پر ترجمہ "ہم کو تو چھوئے گی بھی نہیں" سے کیا ہے جو اچھا ترجمہ ہے۔

[النَّارُ] کا مادہ "ن و ر" اور وزن اصلی (لام تعریف نکال کر) "فَعَلٌ" ہے یہ دراصل "نَوَرٌ" تھا جس میں "واو متحرکہ ماقبل مفتوح" الف میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ کے علاوہ خود اسی لفظ (النار) کے بارے میں البقرہ: ۱۷ [۲:۱۳:۱(۳)] میں بات ہو چکی ہے۔ "النار" کے لفظی معنی تو "آگ" ہی ہیں تاہم لامِ تعریف کی بنا پر یہاں کوئی "خاص آگ" مراد ہے۔ اس لیے بیشتر مترجمین نے یہاں صرف آگ کی بجائے "دوزخ کی آگ" کی صورت میں تفسیری ترجمہ کیا ہے۔

[إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً] کا ابتدائی "إِلَّا" حرف استثناء (بمعنی مگر، سوائے، بجز) ہے۔ یہاں (زیرِ مطالعہ عبارت) میں اس کے "عمل" پر "حصہ الاعراب" میں بات ہوگی۔

"أَيَّامٌ" (جو یہاں منصوب "أَيَّامًا" آیا ہے اس کی نصب پر بھی الاعراب میں بات ہوگی) کا مادہ "ی و م" اور وزن اصلی "أَفْعَالٌ" ہے گویا یہ دراصل "أَيْوَامٌ" تھا (جو "يَوْمٌ" بمعنی "دن" کی جمع مکسر ہے)۔ پھر "یائے ساکنہ کے بعد آنے والی واو متحرکہ کو بھی "یاء" میں بدل کر دونوں "یاء" باہم مدغم کر کے "یہ لفظ بصورت "أَيَّامٌ" لکھا اور بولا جاتا ہے یعنی أَيْوَامٌ = أَيْيَامٌ = أَيَّام۔ "أَيَّام" (نکرہ) کے معنی "کچھ دن، کئی دن" ہیں۔ لفظ "یوم" (جو "ایام" کا واحد ہے) کے مادہ، فعل باب وغیرہ پر الفاتحہ: ۴ [۱:۳:۱(۲)] میں بات ہوئی تھی۔ "مَعْدُوْدَةٌ" کا مادہ "ع د د" اور وزن "مَفْعُوْلَةٌ" ہے (آیت میں یہ لفظ منصوب آیا ہے جس کی وجہ "الاعراب" میں بیان ہوگی)۔ اس مادہ سے فعل مجرد (عدّ یعُدّ = گننا، شمار کرنا) کے باب و معنی وغیرہ پر البقرہ: ۲۴ [۲:۱۷:۱(۱۵)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

● لفظ "معدُودة" اس فعل مجرد (عدّ یعُدّ) سے اسم مفعول مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے "گنی ہوئی، شمار کی گئی" یہ لفظ یہاں "ایام" (جمع مکسر) کی صفت (ہونے کی وجہ سے مؤنث آیا) ہے۔ اس لیے "أَيَّامٌ معدودةٌ" (جو آیت میں منصوب آیا ہے) کا لفظی ترجمہ ہے "گنے ہوئے کچھ دن" جسے مترجمین نے سلیس اور بامحاورہ بنانے کے لیے "کئی دن گنتی کے/ چند روز گنے چنے/ تھوڑے روز جو شمار ہو سکیں/ گنتی کے چند/ گنتی کے دن/ اور چند گنے چنے دن" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ سب کا مفہوم ایک [illegible] "معدودة" کا ترجمہ نظر انداز ہوا ہے اور "جو شمار ہو سکیں" میں اصل عبارت

© rasailojaraid.com

(صیغۂ اسم مفعول) سے تجاوز ہے۔ مفہوم درست ہے۔

2:50:1(2) [قُلْ] کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "اُفْعُلْ" ہے۔ اصلی شکل "اُقْوُلْ" بنتی تھی جس میں "واو" متحرکہ کی حرکت (ضمہ ـُـ) ماقبل ساکن حرف صحیح (ق) کو دی جاتی ہے اور خود اجتماع ساکنین (ؤا و ل) کے باعث گر جاتی ہے اور ابتدائی ہمزۃ الوصل (ق کے متحرک ہو جانے کی بناء پر) گرا دیا جاتا ہے اور لفظ بصورت "قُلْ" لکھا اور بولا جاتا ہے گویا اُقْوُلْ = اُقُوْلْ = اُقُلْ = قُلْ۔ اب اس کا وزن "فُلْ" رہ گیا ہے۔

● یہ (قُلْ) فعل مجرد "قال یقول" (جس کے باب و معنی وغیرہ پر سب سے پہلے البقرہ: ۸ [2:7:1(5)] میں بات ہوئی تھی) سے فعل امر مخاطب کا پہلا صیغہ ہے اس کی گردان "قُلْ، قُوْلَا، قُوْلُوْا، قُوْلِیْ، قُوْلَا اور قُلْنَ" ہوگی۔ اور قرآن مجید میں اس فعل سے امر کی گردان کے یہ تمام صیغے مختلف مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔

● "قُلْ" کا لفظی ترجمہ تو ہے "تو کہہ"۔ چونکہ یہاں اس فعل کے مخاطب اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے اردو محاورے کے مطابق صیغۂ احترام استعمال کرتے ہوئے بعض نے اس کا ترجمہ "کہو/کہہ دو" اور بعض نے "تم فرما دو/آپ کہیے/آپ یوں فرمادیجئے" سے کیا ہے۔ بعض نے صرف "کہہ دے" اور "کہہ" ہی رہنے دیا ہے۔ اور ایک دو نے آگے آنے والی سوالیہ عبارت کی بناء پر یہاں "قُلْ" کا ترجمہ ہی "پوچھو" سے کر دیا ہے جو اصل عبارت سے ہٹ کر ہے۔

2:50:1(3) [اَتَّخَذْتُمْ] یہ لفظ دراصل "اَ اِتَّخَذْتُمْ" ہے جس کے ابتدائی ہمزۂ استفہام (اَ = کیا؟) کی وجہ سے صیغہ "اِتَّخَذْتُمْ" کا ابتدائی ہمزۃ الوصل تلفظ سے تو ساقط ہونا ہی تھا (جیسے وَاتَّخَذْتُمْ یا فَاتَّخَذْتُمْ یا ثُمَّ اتَّخَذْتُمْ میں ہوتا ہے)، تاہم قرآن کی املاء (رسم الخط) میں یہ قاعدہ ہے کہ ہمزۂ استفہام کے بعد اگر کوئی ایسا صیغۂ فعل آرہا ہو جو ہمزۃ الوصل سے شروع ہوتا ہو (اور ایسا عموماً کسی مزید فیہ ماضی کے صیغے میں ہی ہوتا ہے)، تو ایسے ہمزۃ الوصل کو کتابت سے بھی ساقط کر دیا جاتا ہے یعنی اسے لکھا ہی نہیں جاتا۔ اس طرح یہ لفظ "اَاِتَّخَذْتُمْ" سے "اَتَّخَذْتُمْ" رہ جاتا ہے۔ خیال رہے گرنے والا ہمزۃ الوصل ہی ہے ہمزۂ استفہام برقرار (کتابت اور تلفظ دونوں میں) رہتا ہے ایسے الفاظ قرآن کریم میں اور بھی کئی جگہ آئے ہیں۔ اور دراصل یہ "علم الرسم" کا مسئلہ ہے لہٰذا اس پر مزید بات "الرسم" میں ہوگی۔

● اور "اِتَّخَذْتُمْ" کا مادہ "ا خ ذ" اور وزن اصلی "اِفْتَعَلْتُمْ" ہے۔ جو دراصل "اِئْتَخَذْتُمْ" تھا۔ پھر فاء کلمہ (ہمزہ) "ت" میں بدل کر تاء افتعال میں مدغم ہو جاتا ہے۔ اس مادہ (ا خ ذ) سے فعل مجرد (اخذ یأخذ = لینا، پکڑنا) کے باب معنی وغیرہ کے بارے میں البقرہ: ۴۸ [2:31:1(5)] میں وضاحت ہو چکی ہے۔

© rasailojaraid.com

• "اِتَّخَذْتُمْ" اس مادہ سے باب افتعال کا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اس باب (افتعال) سے فعل (اِتَّخَذَ یَتَّخِذُ = پکڑنا، بنالینا) کے معنی و استعمال اور خصوصاً اس میں ہمزہ (فاء کلمہ) کے "تاء" (ت) میں بدل کر مدغم ہونے کے بارے میں بھی البقرہ: ۵۱ [۲:۳۳:۱ (۵)] میں بات ہو چکی ہے۔

● اس طرح "اِتَّخَذْتُمْ" کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "کیا تم نے پکڑا یا لے لیا" جسے سیاقِ عبارت کی بناء پر اکثر نے ماضی قریب (برائے تاکید) کی صورت میں ترجمہ کیا ہے یعنی "کیا تم نے لیا ہے / لے لیا ہے / لے رکھا ہے / تم لے چکے ہو / پا چکے ہو" کی صورت میں۔ سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔

[عِنْدَ اللّٰهِ] کلمۂ ظرف "عند" کے معنی و استعمال کی وضاحت کے لیے دیکھئے البقرہ: ۵۴ [۲:۳۴:۱ (۱۱)]

"عند اللہ" کا ترجمہ "اللہ کے پاس" بنتا ہے جسے مضمونِ عبارت کے لحاظ سے "اللہ کے ہاں / اللہ کے یہاں / اللہ کے نزدیک" سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بعض نے فعل (عہد لینا) کی مناسبت سے اس کا ترجمہ "اللہ سے / خدا سے / اللہ کے ہاں سے" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔

[عَهْدًا] = لفظ "عہداً" (جو عبارت میں منصوب آیا ہے) کے مادہ (ع ھ د) وزن (فَعْلٌ) اور اس سے فعل مجرد (عَهِدَ يَعْهَدُ = عہد لینا) اور خود لفظ "عہد" کے معنی وغیرہ البقرہ: ۲۷ [۲:۱۹:۱ (۱۳)] میں گزر چکے ہیں۔ "عَهْد" کا اردو ترجمہ "قول، اقرار، قرار" سے کیا جاتا ہے اور خود لفظ عہد بھی اردو میں مستعمل ہے اس لیے بعض مترجمین نے یہاں اس کا ترجمہ "عہد" اور "وعدہ" اور "معاہدہ" سے ہی کر دیا ہے۔ بعض نے یہاں "عہداً" کی تنکیر (نکرہ ہونا) کے باعث اردو ترجمہ میں "کوئی" (اقرار وغیرہ) کا اضافہ کیا ہے جبکہ بعض نے صرف لفظ کا ترجمہ کیا ہے اور تنکیر کو نظر انداز کیا ہے۔

۲:۵۰:۱ (۴) [فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ] یہ ایک جملہ ہے جو "فاء (فَ)" عاطفہ (بمعنی پس / اس لیے) + لَنْ يُّخْلِفَ (جس پر ابھی بات ہوگی) + اللّٰهُ + عھد + ہ کا مرکب ہے۔

• "لَنْ يُّخْلِفَ" کا مادہ "خ ل ف" اور وزن (پورے صیغے کا) "لَنْ يُّفْعِلَ" ہے اس مادہ سے فعل مجرد کے معانی و استعمال پر البقرہ: ۳۰ [۲:۲۱:۱ (۴)] میں بات ہوئی تھی۔ زیر مطالعہ صیغۂ فعل (لن یخلف) اس مادہ سے بابِ افعال کا فعل مضارع معروف "منصوب منفی بلَنْ" (صیغہ واحد مذکر غائب) ہے۔ جس میں کسی کام کے زمانۂ مستقبل میں پر زور نفی (یعنی ہرگز نہ ہونے) کا مفہوم ہوتا ہے۔ بابِ افعال سے فعل "اَخْلَفَ ... يُخْلِفُ اِخْلَافًا" ایک کثیر المعانی فعل ہے جن میں عموماً بنیادی معنی "... کو پیٹھ پیچھے کرنا / چھوڑ دینا / کر دینا" کے ہوتے ہیں۔ یہ فعل بطور لازم بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً "اَخْلَفَ الطَّعَامُ" (کھانے کا ذائقہ یا بو بدل جانا)، تاہم قرآن کریم میں یہ فعل بطور لازم کہیں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ ہر جگہ بطور

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

فعل متعدی ہی آیا ہے۔اس کے مختلف معانی اور استعمالات میں سے چند ایک یہ ہیں۔

① "وعدہ پورا نہ کرنا" (وعدہ کو پیچھے چھوڑ دینا)۔اس صورت میں اس کا مفعول (وَعْدٌ یا عَھْدٌ) مفعول بنفسہٖ بھی آتا ہے اور "باء" کے صلہ کے ساتھ بھی مثلاً کہتے ہیں "اَخْلَفَ وَعْدَہٗ" یا "بِوَعْدِہٖ" (اس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا) قرآن کریم میں ہے "فَاَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِیْ" (طٰہٰ:۸۶) یعنی تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا۔"اور اسی قسم کا استعمال زیر مطالعہ حصۂ عبارت "لَنْ یُخْلِفَ اللّٰہُ عَھْدَہٗ" میں ہے۔

② "(کسی سے) وعدہ پورا نہ کرنا"۔اس صورت میں مفعول وہ آدمی ہوتا ہے جس سے وعدہ کیا گیا ہو۔قرآن میں شیطان کا قیامت کے دن اپنے پیروکاروں سے یہ قول بیان ہوا ہے "وَوَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ" (ابراہیم:۲۲) یعنی میں نے تم سے وعدہ کیا تھا مگر (اب) تم سے وعدہ خلافی کی ہے"۔

③ اور کبھی یہ فعل اسی (وعدہ خلافی والے) معنوں میں دو مفعول کے ساتھ استعمال ہوتا ہے یعنی جس وعدہ کی خلاف ورزی کی جائے اور جس کے ساتھ کی جائے دونوں مفعول بنفسہٖ ہو کر آتے ہیں۔مثلاً کہتے ہیں، "اَخْلَفَہُ الْوَعْدَ" (اس نے اس کے ساتھ وعدہ خلافی کی)۔اور قرآن کریم میں ہے "اَخْلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوْہُ" (التوبہ:۷۷) یعنی انہوں نے اللہ کے ساتھ کیے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔

④ اور کبھی یہ فعل "کسی چیز کے بعد کوئی اور چیز دینا" کے معنی دیتا ہے مثلاً قرآن کریم میں ہے۔"وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ" (سبا:۳۹) یعنی "جو کچھ تم خرچ کرتے ہو تو وہ (اللہ) اس کی جگہ اور دیتا ہے"۔

قرآن کریم میں اس (بابِ افعال والے) فعل سے مختلف صیغے ۱۴ جگہ آتے ہیں اور ہر جگہ یہ فعل متعدی اور مفعول بنفسہٖ کے (ذکر کے) ساتھ استعمال ہوا ہے۔

● اس طرح اس عبارت (فلن یُخلِفَ اللّٰہ عھدَہٗ) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "پس ہرگز اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہ کرے گا اپنے عہد کی" (یا اسے پیچھے نہیں چھوڑ دے گا)۔اسی کو سلیس اور بامحاورہ بناتے ہوئے بعض مترجمین نے "البتہ اللہ ہرگز خلاف نہ کرے گا اپنے اقرار کے" اور "اللہ ہرگز اپنا عہد خلاف نہ کرے گا" سے ترجمہ کیا ہے۔بعض حضرات نے "ہرگز یا البتہ" کے استعمال کے بغیر ترجمہ کیا ہے" یعنی "اللہ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا" یا "اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا" کی صورت میں۔یہ گویا "لن یُخلف" کی بجائے "لایُخلفُ" کا ترجمہ ہے۔بعض حضرات نے غالباً سیاقِ عبارت (سابقہ عبارت کو) سامنے رکھتے ہوئے یا محاورہ کی خاطر زیر مطالعہ عبارت کے ترجمہ سے پہلے "اب" یا "تو اب" کا اضافہ کیا ہے یعنی "اب / تو اب خلاف نہ کرے گا" کی طرح۔اگرچہ اصل عربی میں اس "اب" کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔

آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ اس فعل (اخلف یُخلف) کے تمام تراجم میں لفظ "خلاف" استعمال ہوا

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ہے جو خود اسی مادہ (خ ل ف) سے مشتق ایک لفظ ہے اور اردو میں عام مستعمل ہے (اگرچہ اپنے سارے عربی معانی کے ساتھ نہیں)۔

[اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ] اس جملے کے تمام کلمات کے معانی و استعمالات اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ مثلاً

"اَمْ" (یا، یا پھر، کیا؟) کے لیے دیکھئے [۲:۵:۱(۴)]۔ "تقولون" کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "تَفْعُلُوْنَ" ہے اور یہ فعل قال یقول (کہنا) سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے (بمعنی تم کہتے ہو، مزید لغوی صرفی بحث کے لیے دیکھئے [۲:۹:۱(۴)] نیز [۲:۱۹:۱(۶)] کے بعد بحث "یقولون"۔ "علی" کے معانی [۱:۶:۱(۳)] میں اور چاہیں تو اسم جلالت (اللہ) کی لغوی بحث "بسم اللہ" میں دیکھئے۔ "ما" جو یہاں موصولہ (بمعنی "وہ جو کہ") ہے کے استعمال کے لیے دیکھئے [۲:۲:۱(۵)] اور [۲:۱۹:۱(۷)]۔ "لا تعلمون" جو "ع ل م" مادہ سے فعل مجرد "علِم یعلَم" (جاننا) سے فعل مضارع معروف منفی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے (بمعنی تم نہیں جانتے ہو) مزید کے لیے دیکھئے [۲:۱۰:۱(۳)]

● اس طرح اس فقرے کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "یا تم کہتے ہو اللہ پر وہ جو تم نہیں جانتے" جسے ذرا سلیس اور بامحاورہ کرتے ہوئے "خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں"، "خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں" کی صورت دی گئی ہے بعض حضرات نے اردو محاورے کی بنا پر یہاں "تقولون" (کہتے ہو) کا ترجمہ "(اللہ پر) جوڑتے ہو / جوڑ رہے ہو / باتیں جوڑتے ہو" سے کر دیا ہے بعض نے اس پوری عبارت کا ترجمہ "اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے" کی صورت میں کیا ہے جو ترجمہ سے زیادہ تفسیر ہے جب کہ بعض نے "بے جانے بوجھے اللہ پر جھوٹ بولتے ہو" سے ترجمہ کیا ہے جو محاورہ و مفہوم کے لحاظ سے درست سہی مگر اصل الفاظ سے ہٹ کر اور "حد ترجمہ" سے باہر ہے۔

● گویا اس جملے کے الگ الگ اجزاء کے تراجم یوں کیے گئے ہیں (ہر ایک کا پہلا ترجمہ اصل لفظی ہے) "ام تقولون" = کیا تم کہتے ہو / جوڑتے ہو / جوڑ رہے ہو / جھوٹ بولتے ہو "علی اللہ" = اللہ پر / خدا کے بارے میں / اللہ کے ذمے "ما" = وہ جو / وہ بات جس کا / ایسی باتیں جن کا / ایسی بات جس کی "لا تعلمون" = تم نہیں جانتے / تمہیں علم نہیں / تمہیں مطلق علم نہیں / کوئی علمی سند پاس نہیں رکھتے / بے جانے بوجھے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کس ترجمے میں اصل الفاظ سے کتنا بُعد یا اس پر کتنا اضافہ ہے۔

© rasailojaraid.c

۲ : ۵۰ : ۱ (۵) [بَلٰی] اگرچہ اسے بلحاظ مادہ "ب ل ی" سے ماخوذ قرار دیا جاسکتا ہے (اور یہی وجہ ہے کہ معاجم میں اس کا ذکر اسی مادہ کے ضمن میں کیا جاتا ہے)۔ تاہم یہ لفظ (بلٰی) نہ اسم ہے نہ فعل بلکہ صرف ایک حرف ہے اور اسے "لا" اور "نعم" کی طرح حرفِ جواب کہتے ہیں۔

● یہ ہمیشہ کسی منفی جملے کے جواب میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا مقصد "ردِّ نفی" (نفی کا انکار) ہوتا ہے یعنی منفی جملے میں جس بات کا انکار کیا گیا ہو۔ یہ لفظ اس انکار کا رد کرتا ہے اور اس کے مقابلے پر اس بات کا اقرار (یا اثبات) ثابت کرتا ہے۔ عموماً یہ کسی منفی جملۂ استفہامیہ کے جواب میں (اقرار کے مفہوم کے لیے) آتا ہے۔ اگرچہ بعض دفعہ بغیر استفہام کے منفی جملے کے جواب میں (نفی کو رد کرکے فعل منفی کا اقرار کرنے کے لیے) بھی آتا ہے۔ اس کے مقابلے میں "نَعَمْ" (ہاں) اور "لَا" (نہیں) صرف استفہام کے جواب میں استعمال ہوتے ہیں۔

● مثلاً اگر کوئی کہے "أَزَیدٌ فی البیت" (کیا زید گھر میں ہے) تو اس کے جواب میں "نَعَمْ" (ہاں) یا "لَا" (نہیں) کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر کہا جائے "أَلیسَ زیدٌ فی البیت" (کیا زید گھر میں نہیں ہے) تو اس کے جواب میں اگر "نَعَمْ" (ہاں) کہا جائے تو اس کا مطلب ہوگا "نَعَمْ لیس زید فی البیت" (ہاں زید گھر میں نہیں ہے)۔ اور اگر اس (الیس زید فی البیت) کے جواب میں "بلٰی" (ہاں) کہا جائے تو اس کا مطلب ہوگا "بلٰی زید فی البیت" (ہاں زید گھر میں ہی ہے) یہی وجہ ہے کہ اردو میں "نَعَمْ" کا ترجمہ تو "ہاں" سے ہی کیا جاتا ہے مگر "بَلٰی" کا ترجمہ "کیوں نہیں / ہاں کیوں نہیں" سے کیا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی آدمی استفہام کے بغیر منفی جملہ "لیسَ زیدٌ فی البیت" (زید گھر میں نہیں ہے) کہے اور سننے والا کہے "بَلٰی" تو اس کا مطلب ہوگا "تم غلط کہتے ہو بلکہ زید گھر میں ہی ہے"۔

● یہ لفظ "بلٰی" قرآن کریم میں ۲۲ جگہ آیا ہے اور ان میں سے دس سے زیادہ مقامات پر تو یہ "استفہام مع نفی" کے جواب میں آیا ہے جیسے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (الاعراف: ۱۷۲) اور "اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ" (البقرہ: ۲۶۰) میں ہے باقی تمام جگہوں پر یہ مطلقاً جحد (انکار اور نفی) کی تردید میں واقع ہوا ہے اور اسی قسم کا ایک یہ مقام (زیر مطالعہ) بھی ہے جس میں یہ کسی استفہام کے بغیر عبارت "لن تمسّنا النار" کے رد اور انکار میں آیا ہے۔ اسی لیے اس کا ترجمہ "کیوں نہیں / ہاں کیوں نہیں" کی بجائے اثباتِ حقیقت کے طور پر "واقعی بات تو یہ ہے کہ / سچ تو یہ ہے کہ / بات یہ ہے کہ / بلکہ اصل یہ ہے کہ" کی صورت میں کیا گیا ہے۔

۲ : ۵۰ : ۱ (۶) [مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً] "مَنْ" یہاں موصولہ (یعنی جو کہ / جس نے کہ) بھی ہوسکتا ہے اور شرطیہ (یعنی جو کوئی بھی کہ / جس کسی نے بھی) بھی ہوسکتا ہے دیکھئے البقرہ: ۸ [۲ : ۷ : ۱ (۴)] - اسی

© rasailojaraid
© rasailojaraid

لیے اس کا ترجمہ "جو/ جو شخص/ جو کوئی/ جو کوئی بھی/ جس نے/ جن لوگوں نے" کیا گیا ہے (مَن "بلحاظ لفظ واحد اور بلحاظ معنی جمع بھی استعمال ہوتا ہے)۔

● "کَسَبَ" (جو "ک س ب" مادہ سے فعل مجرد کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے) کے فعل، باب، معنی وغیرہ پر ابھی اوپر [۲:۴۹:۱:۱(۵) میں] بات ہو چکی ہے (کسب یکسِبُ = کمانا) یہاں بعض مترجمین نے تو فعل ماضی کا ترجمہ ماضی سے ہی کیا ہے یعنی "جس نے کیا/ کی/ پلے باندھی" کی صورت میں مگر بیشتر حضرات نے "مَن" شرطیہ کی بناء پر ترجمہ مضارع یا مستقبل کے ساتھ کیا ہے یعنی "جو کماوے/ کمائے/ کرے/ کرتا رہے/ اختیار کرے گا" کی صورت میں۔

● "سَيِّئَة" کا مادہ "س و أ" اور وزن اصلی "فَيْعِلَةٌ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "سَيْوِئَةٌ" تھی پھر "یائے ساکنہ کے بعد والی "واوِ" مکسورہ بھی ساکن ہو کر "یا" میں مدغم ہو جاتی ہے۔ [دیکھئے ۲:۱۴:۱:۱(۲) میں کلمہ "صیّب" کی بناوٹ کی بحث] ۔ اس مادہ (س و أ) سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ کی بحث البقرہ: ۴۹ [۲:۳۲:۱:۱(۴)] میں گزر چکی ہے

اسی طرح لفظ "سَيِّئَة" کے معنی "برائی، گناہ، اور بدی" ہیں اور بظاہر یہ لفظ اسم ذات (جو کسی چیز کا نام ہو) معلوم ہوتا ہے۔ تاہم بعض دفعہ یہ لفظ بری (شے) کے معنی میں بطور اسم صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے "شفاعةً سيئةً" (النساء: ۸۵) میں ہے یعنی "بری سفارش"۔ تاہم غور کیا جائے تو "سیئة" (برائی۔ بدی کے معنی میں بھی) در اصل "اعمالٌ سیئةٌ" ہی ہوتا ہے۔ یعنی ایسے موقع پر در اصل "سیئة" ایک محذوف موصوف کی صفت ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض مترجمین نے یہاں "سیئة" کا ترجمہ "بری باتیں/ برے کام" سے کیا ہے۔ یہی صورت اس کے مقابلے کے لفظ "حَسَنَةٌ" کی ہے جو در اصل تو اسم صفت ہی ہے (بمعنی اچھا/ عمدہ/ نیک) اور بطور اسم ذات (در اصل محذوف موصوف کے ساتھ) بھی استعمال ہوتا ہے (بمعنی نیکی/ اچھائی)۔

لفظ "سیئة" (واحد) بصورت معرفہ یا نکرہ قرآن کریم میں ۲۲ جگہ آیا ہے اور "سیئات" (بصورت جمع معرفہ نکرہ مفرد مرکب) ۳۶ جگہ آیا ہے۔

۲:۵۰:۱:۱(۷) [وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ] یہ بھی ایک پورا جملہ ہے جو "وَ" عاطفہ (اور) + "احاطت" (جس پر بات ہو گی) + "بہٖ" (جو بارِ الجر (ب) + ضمیر مجرور "ہ" ہے بمعنی "اس کو") + "خَطِیْٓئَتُہٗ" (جس پر بات ہو گی) کا مرکب ہے۔

● "اَحَاطَتْ" کا مادہ "ح و ط" اور وزن اصلی "اَفْعَلَتْ" ہے جس کی اصلی شکل "اَحْوَطَتْ" تھی پھر اس

© rasailojaraid
© rasailojaraid

میں واو متحرک کی حرکت (ـَـ) اس کے ماقبل ساکن حرفِ صحیح (ح) کو دے کر خود "واو" کو اس کے ماقبل کی حرکت (جو اب فتحہ ہو گئی ہے) کے موافق حرف (الف) میں بدل کر لکھا اور بولا جاتا ہے گویا اَحْوَطَتْ = اَحَوْطَتْ = اَحَاطَتْ۔ اس مادہ (ح و ط) سے فعل مجرد کے باب معنی و استعمال کے بارے میں البقرہ: ۱۹ [۲:۱۴:۱(۱۳)] میں بات ہو چکی ہے۔

● "اَحَاطَتْ" اس مادہ سے بابِ افعال کا فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ہے اس باب سے فعل (اَحَاطَ یُحِیْطُ = گھیر لینا) کے معنی اور طریق استعمال وغیرہ بھی مندرجہ بالا مقام [۲:۱۴:۱(۱۳)] میں بیان ہوئے تھے جس میں یہ بھی بیان ہوا تھا کہ یہ فعل (احاط یُحِیط) "باء (ب)" کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے چنانچہ اگلے لفظ "بہٖ" کی "باء" یہی صلہ ہے۔ اس طرح "وَاحَاطَتْ بہٖ" کا ترجمہ بنتا ہے "اور وہ گھیرے میں لے چکی اس کو"۔ پھر بعض مترجمین نے "مَنْ" ("مَنْ کسب سیئۃ" سابقہ جملے والا) کو موصولہ اور جملہ کو صرف خبریہ سمجھتے ہوئے اس کا ترجمہ بصیغۂ ماضی ہی رہنے دیا ہے یعنی "گھیر لیا اس کو/گھیرے میں لے لیا اس کو" کی صورت میں — اور بعض نے اسی (صیغۂ ماضی) کو بامحاورہ کرتے ہوئے "... کے پھیر میں آگیا/آگئے" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں جمع کا صیغہ تو "مَن" کی وجہ سے آسکتا تھا مگر مجموعی ترجمہ اصل عبارت سے ہٹ کر ہے۔ بیشتر مترجمین نے "مَنْ" کو شرطیہ سمجھتے ہوئے عبارت کا ترجمہ جملہ شرطیہ کی صورت میں اور اسی لیے فعل مضارع یا مستقبل کے ساتھ یعنی "گھیر لے اسے/اس کو گھیر لے/اس کو احاطہ کر لے/اس کو گھیر لے گا" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ اردو ترجمہ کے لیے اختیار کردہ فعل اور محاورے کے مطابق فعل مؤنث کا ترجمہ فعل برائے مذکر سے کرنا پڑا ہے۔

● "خَطِیْئَتُہٗ" کی آخری ضمیر مجرور (مضاف الیہ) "ہٗ" تو بمعنی "اس کا/کی/کے" ہے۔ اور لفظ "خَطِیْئَۃ" (جو مضاف ہو کر خفیف ہو گیا ہے) کا مادہ "خ ط أ" اور وزن "فَعِیلَۃٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے باب معنی وغیرہ کی بحث البقرہ: ۵۸ [۲:۳۷:۱(۶)] میں بسلسلہ کلمہ "خطایا" ہو چکی ہے بلکہ اس لفظ (خطیئۃ) (جس کی ایک جمع "خطایا" ہے) کے معنی اور ساخت وغیرہ پر بھی وہاں بات ہو چکی ہے اس لفظ کے رسم عثمانی پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی۔

● اس طرح "خَطِیْئَتُہٗ" کا ترجمہ "اس کی خطا نے/اس کے گناہ نے/اپنے گناہ سے/اس کا گناہ" (احاطت" کے لیے اختیار کیے گئے فعل کے مطابق فرق کے ساتھ) کے ساتھ کیا گیا ہے بعض نے "خطیئتہ" کا ترجمہ بصورت جمع (اس کے گناہ) کیا جسے معنیٔ مراد ہی کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ اصل لفظ تو واحد ہے۔

© rasailojaraid.c

[فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ] یہ پورے دو جملے ہیں جن کے الگ لفظوں کا ترجمہ تو یوں ہے: "فَ" (پس/اس لیے/سو) "اولٰئک" = وہی ہیں/ایسے ہی لوگ/وہی/یہی لوگ۔

"اصحاب النار" = دوزخ کے رہنے والے/اہل دوزخ/دوزخی/دوزخ والے

["النار" = آگ/دوزخ] ۔ "هُمْ" = وہ/وہ سب

"فیھا" = اس میں/اسی میں

"خٰلِدُوْنَ" = ہمیشہ رہنے والے/پڑے رہنے والے/ہمیشہ وہیں رہیں گے/پڑے رہیں گے،

مندرجہ بالا تمام کلمات کی لغوی بحث البقرۃ: ۳۹ [۲:۲۷:۱] میں ہو چکی ہے۔ ماسوائے اس فرق کے کہ یہاں جملہ "فاء (ف)" سے شروع ہوتا ہے اور وہاں "اولٰئک" سے شروع ہوا تھا۔

[وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ] اس کے ابتدائی "وَ" عاطفہ (بمعنی "اور") کو چھوڑ کر باقی عبارت (الذین ..... الصالحات) کے تمام کلمات کی لغوی بحث اور تراجم وغیرہ البقرۃ: ۲۵ [۲:۱۸:۱] میں گزر چکے ہیں اس عبارت کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کیے اچھے کام"۔

[اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ] یہ بھی ایک مکمل جملہ اسمیہ ہے اس کے بھی تمام کلمات کی لغوی بحث پہلے گزر چکی ہے۔ مثلاً

اُولٰئک = "وہ سب/لوگ" اور دیگر اسماء اشارہ البقرۃ: ۵ [۲:۴:۱(۱)] میں دیکھئے۔

اصحاب = "ساتھی/... والے" کے مادہ وغیرہ کی بحث کے لیے البقرۃ: ۳۹ [۲:۲۷:۱(۴)] میں دیکھئے۔

الجنۃ = "باغ/بہشت" کی لغوی بحث البقرۃ: ۲۵ [۲:۱۸:۱(۴)] میں اس کی جمع "جنات" کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ اس طرح اس عبارت کے تراجم ہیں: "وہی/ایسے/یہی لوگ ہیں جنت والے/اہل جنت/جنتی"۔ اردو میں چونکہ لفظ "جنت" (باغ/بہشت) مستعمل ہے اس لیے کسی نے اس کا ترجمہ کسی اور لفظ سے کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

[هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ] یہ جملہ اور اس کے تمام اجزاء کی لغوی تشریح سب سے پہلے البقرۃ: ۳۹ [۲:۲۷:۱] میں ہوئی تھی اور اس کے لفظی ترجمہ "وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں" کے علاوہ دیگر تراجم بھی وہاں بیان ہوئے تھے۔

۲:۵۰:۲ الإعراب

یہ قطعہ جس میں تین آیات ہیں نحوی اعتبار سے سات مستقل جملوں پر مشتمل ہے۔ ان کے اعراب کی تفصیل یوں ہے۔

© rasailojaraid.c

(۱) وقالوا لن تمسّنا النارُ إلّا ایامًا معدودۃً

[وَ] یہاں مستانفہ ہے کیونکہ یہاں سے ایک الگ مضمون شروع ہوتا ہے [قالُوا] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعلین "ھم" ہے [لَنْ تمسّنا] میں "لَنْ تَمَسَّ" فعل مضارع معروف منصوب "بِلَنْ" صیغہ واحد مؤنث غائب ہے صیغہ کی تانیث آگے آنے والے فاعل "النارُ" (مؤنث سماعی) کے لیے ہے۔ علامتِ نصب (مضارع) یہاں "سَّ" کی فتحہ (ـَ) ہے۔ (جو دراصل "لَنْ تَمْسَسَ" تھا) اس کا آخری "نا" ضمیر منصوب متصل ہے جو فعل (لَنْ تمسّ) کا مفعول بہ ہے۔

[النارُ] فاعل (لن تمسّ) ہے اس لئے مرفوع ہے علامتِ رفع آخری "ر" کا ضمہ (ـُ) ہے [إلّا] حرفِ استثناء ہے جو نفی کے بعد آنے کی وجہ سے حصر کا کام دے رہا ہے اس کا ترجمہ "مگر صرف / محض" سے ہوگا۔ [أیّامًا] یہ "إلّا" کی وجہ سے نہیں بلکہ فعل "لن تمسّ" کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس لیے کہ اگر آپ فعل میں سے حرف نفی "لن" اور حرف استثناء "إلّا" نکال دیں تو عبارت بنے گی۔ تمسّنا النارُ ایامًا (آگ ہمیں کچھ دن چھوئے گی)، یعنی "ایامًا" بطور ظرف منصوب آئے گا۔ [مَعدُودۃً] "ایامًا" کی صفت لہذا منصوب ہے اور "ایام" کے جمع مکسر ہونے کی وجہ سے صفت واحد مؤنث لائی گئی ہے۔ اس طرح جملہ "لن تمسّنا النارُ الّا ایامًا معدودۃً" ابتدائی فعل "قالوا" کا مفعول (مقول) ہو کر محلاً نصب میں ہے۔ اس پورے جملے (وقالوا . . . . معدودۃً) کے تراجم اور حصر کے لیے اردو الفاظ پر حصہ "اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے۔ یہاں ایک جملہ مکمل ہوتا ہے، اسی لیے اس کے آخر پر وقف مطلق کی علامت (ط) ڈالی جاتی ہے۔

(۲) قل أتّخذتم عندَ اللہِ عھدًا فلن یُخلِفَ اللہُ عھدَہٗ:

[قُل] فعل امر مع ضمیر فاعل مستتر "أنتَ" ہے۔ اور یہاں سے ایک الگ جملہ (مستانفہ) شروع ہوتا ہے [أتّخذتم] کا ابتدائی ہمزہ (أ) استفہام کا ہے اور فعل "إتّخذتم" کا ابتدائی ہمزۃ الوصل (ا) تلفظ اور کتابت دونوں سے (ایسے موقع پر) ساقط ہو جاتا ہے یعنی نہ لکھا جاتا ہے اور نہ بولا جاتا ہے۔ "إتّخذتم" فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس میں ضمیر الفاعلین "انتم" مستتر ہے۔ اور یہاں یہ فعل (إتّخَذَ) صرف ایک ہی مفعول کے ساتھ استعمال ہوا ہے (جو آگے آرہا ہے) ورنہ عام طور پر فعل "إتّخذ" کے دو مفعول آتے ہیں۔ [عندَ اللہ] میں "عندَ" ظرف مضاف (لہذا) منصوب ہے اور "اللہ" اس (ظرف) کا مضاف الیہ (لہذا) مجرور ہے۔ اس ظرف (عنداللہ) کا تعلق فعل "إتّخذتم" سے ہے اور ظرف کے فعل پر مقدم ہونے (پہلے آنے) کی وجہ سے اس میں تاکید یعنی "اللہ ہی کے ہاں" کا مفہوم پیدا ہوتا ہے تاہم بیشتر

© rasailojaraid.com

مترجمین نے یہاں اس "ہی" کو نظر انداز کیا ہے۔ [عهدًا] فعل "اتخذتم" کا مفعول بہٖ (لہٰذا) منصوب
ہے۔ عام ترتیبِ عبارت "اتخذتم عهدًا عند الله" بنتی تھی مگر ظرف کو تاکید یا تعجب کے لیے
مقدم کر دیا گیا ہے [فلن يُخلِفَ] کی ابتدائی "فاء" (فَ) سببیہ (بمعنی "اس لیے") ہے اور اس کی وجہ
سے یہاں ایک منصوب فعل "تقولوا" محذوف ہے (فاء سببیہ کے بعد فعل مضارع منصوب آتا ہے)
یعنی تقدیر (اصل مفہوم) عبارت کچھ یوں بنتی ہے "أتّخذتم عند اللهِ عهدًا فتقولوا" لن يُخلِفَ ...."
(کیا تم نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے جس کی بنا پر کہتے ہو کہ وہ ہرگز خلاف نہیں جائے گا)" لن يُخلِفَ"
بھی فعل مضارع منصوب "بلَن" ہے اور اس میں علامتِ نصب آخری فاء کی فتحہ (فَ) ہے۔
[اللهُ] فعل "لن يُخلِفَ" کا فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے۔ [عهدَهُ] مضاف (عهد) اور مضاف الیہ
(ہ) مل کر فعل "فلن يُخلِفَ" کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے۔ علامتِ نصب "د" کی فتحہ (ــَ) ہے۔
اسی طرح یہاں بھی "قُلْ" کے بعد والا تمام جملہ (اتخذتم ... عهدَهُ) فعل "قُلْ" کا مقول (مفعول)
ہو کر محل نصب میں ہے۔

(۳) أمْ تقولونَ على اللهِ ما لا تعلمون

[أَمْ] حرف عطف بمعنی حرفِ استفہام (کیا؟) بھی ہو سکتا ہے جو ابتدائی همزة التسوية (اتخذتم والا)
کے بعد آتا ہے اور جسے ہمزہ معادلہ یا ہمزہ متصلہ بھی کہتے ہیں اور جس کا ترجمہ "کیا/ یا/ آیا" سے ہو سکتا ہے
اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ "أم" منقطعہ ہو جس میں "بَلْ" (بلکہ) کا مفہوم ہوتا ہے۔ همزة التسوية اور "أم" معادلہ
متصلہ یا منقطعہ کی وضاحت کے لیے دیکھئے البقرہ: ۵ [۲:۵:۱(۴)]
[تقولون] فعل مضارع معروف مع ضمیر الفاعلین "انتم" ہے جس کا "أم" کے ذریعے سابقہ جملے (۲)
پر عطف ہو سکتا ہے [على اللهِ] جار (على) مجرور (اللهِ) مل کر متعلق فعل (تقولون) ہیں [مَا] موصولہ
ہے جو یہاں فعل "تقولون" کا مفعول ہونے کے باعث منصوب ہے (اگرچہ مبنی ہونے کی وجہ سے
اس میں کوئی اعرابی علامت ظاہر نہیں ہے) [لا تعلمون] فعل مضارع معروف منفی "بلا" (نافیہ
غیر عاملہ) ہے جس میں واو الجمع (ــو) ضمیر الفاعلین "انتم" کی علامت ہے۔ اس کے بعد ایک ضمیر
عائد محذوف ہے یعنی یہ در اصل "لا تعلمونه" (تم جس کو نہیں جانتے ہو) تھا۔ اور یہ جملہ فعلیہ (لا تعلمون)
"ما" موصولہ کا صلہ ہے اور صلہ موصول مل کر "تقولون" کا مفعول لہٰذا محلاً منصوب ہے۔ اگرچہ بعض نحوی
حضرات صرف موصول کا اعراب بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "صلہ" کا کوئی اعراب نہیں ہوتا۔ مگر
حقیقت یہ ہے کہ ہمیشہ صلہ موصول مل کر ہی جملے کا کوئی جزء (مبتدا، خبر، فاعل، مفعول وغیرہ) بنتے ہیں صرف

© rasailojaraid.com

اسم موصول تو جملے کا الگ جز نہیں ہوتا۔

ابتدائی "أَمْ" کی وجہ سے یہ جملہ (۳) سابقہ جملے (۲) پر عطف بھی ہوسکتا ہے اور اس طرح بلحاظ مضمون یہ دونوں جملے (۲، ۳) دراصل ایک ہی طویل جملہ بنتے ہیں۔

(۴) بلى من كسب سيئةً واحاطتْ به خطِيْئتُهٗ فاولٰئك اصحٰب النار

[بلیٰ] حرفِ جواب ہے جو سابقہ منفی بجحد (زور سے انکار) والے جملے (لن تمسّنا النارُ) کے رد میں آیا ہے (اس کے ترجمہ اور اس کی وجہ پر حصہ "اللغۃ" میں بات ہوچکی ہے) [مَنْ] عام اسم موصول بھی ہو سکتا ہے بمعنی "وہ شخص / لوگ جو کہ"۔ اور یہاں یہ اسم شرط بمعنی "جو کوئی بھی کہ" بھی ہوسکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ اپنے (آگے آنے والے) صلہ کے ساتھ مل کر (یا "شرط" کے لیے) مبتدأ کا کام دے رہا ہے لہٰذا محلاً مرفوع ہے اردو مترجمین نے دونوں طرح (یعنی "من" موصولہ یا شرطیہ کے ساتھ) ترجمہ کیا ہے (دیکھئے حصہ "اللغۃ") ویسے شرطیہ والا ترجمہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہاں کسی خاص شخص یا اشخاص کی بات نہیں ہوئی بلکہ ایک عام (کلی) قانون بیان ہوا ہے۔ [کسب] فعل ماضی مع ضمیر الفاعل "ھو" ہے جو "من" کے لیے ہے۔ یہاں بصورت "مَنْ شرطیہ" یہ فعل محلاً مجزوم ہے اگرچہ فعل ماضی ہونے کے باعث "جزم" کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ [سيئةً] فعل "کسب" کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے [وَ] عاطفہ ہے اور [احاطتْ] فعل ماضی معروف صیغہ واحد مؤنث غائب ہے یہ فعل (احاطتْ) یہاں واو عاطفہ کے ذریعے سابقہ فعل "کسب" پر عطف ہے یعنی "کسب ...." اور "احاطتْ" والے دونوں کام جمع ہو گئے [بِهٖ] جار مجرور (بِ + ہ) فعل "احاطتْ" سے متعلق ہیں۔ یا یوں کہئے کہ "باء" (ب) فعل "احاطتْ" کا صلہ ہے اور اس طرح "بہ" مفعول ہو کر محل نصب میں ہے۔ [خطِيْئتُهٗ] مضاف (خطیئۃ) اور مضاف الیہ (ہ) مل کر فعل "احاطتْ" کا فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے۔ علامت رفع "خطیئۃ" کی تاء (ۃ) کا ضمہ (ـُـ) ہے اور "خطیئۃ" مضاف ہو کر خفیف رہ گیا ہے۔ اس طرح "مَنْ" کے بعد والے دونوں جملے (کسب ... خطیئتہٗ) "مَنْ" کا صلہ بھی بن سکتے ہیں۔ اس صورت میں صلہ موصول مل کر (من ... خطیئتہٗ) مبتدأ کا کام دے رہے ہیں جس کی خبر آگے آنے والا جملہ (فاولٰئك اصحٰب النار) ہوگا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "مَنْ" شرطیہ ہو اور اس کے بعد والے دونوں جملے (کسب .... خطیئتہ) اس (مَنْ) کے ساتھ مل کر جملہ شرطیہ کا ابتدائی حصہ (بیان شرط) بنتے ہیں۔ جس کا جواب شرط آگے آرہا ہے۔

[فاولٰئك] کی ابتدائی "فاء (فَ)" رابطہ کی ہے جو جوابِ شرط کے شروع میں آتی ہے اور اسی لیے اکثر مترجمین نے اس (فَ) کا ترجمہ (جوابِ شرط کی طرح) "تو / سو" سے کیا ہے۔ اور "اولٰئك"

© rasailojaraid

اسم اشارہ (جمع) مبتدأ ہے اور [اصحاب النار] مضاف (اصحاب) اور مضاف الیہ (النار) مل کر خبر (لہٰذا) مرفوع ہے علامت رفع "اصحاب" کی "ب" کا ضمہ (ـُـ) ہے جو مضاف ہو کر خفیف بھی ہے ("النار" تو مجرور بالاضافہ ہے)۔ اس طرح یہ جملہ (فاولئك اصحاب النار) "مَنْ" شرطیہ کا جوابِ شرط بھی ہو سکتا ہے اور اگر "مَنْ" اور اس کے صلہ کو مبتدا سمجھا جائے تو یہ (فاولئك اصحاب النار) اس کی خبر بھی بن سکتی ہے۔ اس صورت میں "فاء" سببیہ کا ترجمہ "پس/اس لیے" سے ہوگا ان دو تراکیب سے ترجمہ میں فرق پڑے گا کہ شرطیہ کی صورت میں ترجمہ "جو کوئی بھی ۔ ۔ ۔ ۔ تو/سو ۔ ۔ ۔ ۔" سے ہوگا اور صلہ موصول مبتدأ سمجھیں تو ترجمہ "جو لوگ کہ ۔ ۔ ۔ ۔ پس وہی ۔ ۔ ۔ ۔" سے ہوگا۔ تاہم "مَنْ" کے بعد والے جملے کو شرطیہ سمجھنا زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہاں بات "کسی خاص آدمی یا آدمیوں" کی نہیں ہو رہی بلکہ ایک عام شرط (یا قانون) کا بیان ہے جو سب پر اطلاق پذیر ہوگا۔ اور اس جوابِ شرط جملہ (فاولئك اصحاب النار) میں جمع کے صیغے (اولئك اور اصحاب) اس لیے آئے ہیں کہ "مَنْ" (جملہ ۲ والا) شرطیہ ہو یا موصولہ واحد جمع دونوں کا مفہوم رکھتا ہے

© rasailojaraid

⑤ هم فيها خالدون

[هُمْ] ضمیر مرفوع منفصل مبتدأ ہے اور [فيها] جارّ (فی) اور مجرور (ضمیر "ها" جو النار یعنی آگ کے لیے ہے) مل کر متعلق خبر مقدم ہیں۔ اور اپنی خبر سے پہلے آنے کی وجہ سے اس میں "اس ہی میں/اسی میں" کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جسے بعض مترجمین نے ملحوظ رکھا ہے۔ [خالِدُون] خبر مرفوع ہے اور یہ پورا جملہ اسمیہ (جو عام نثر میں "هم خالدون فيها" ہوتا) سابقہ خبر "اصحاب النار" (جملہ ۴) میں سے "اصحاب" کا بیان یا صفت یا حال بھی ہو سکتا ہے اور "النار" کا بھی۔ پہلی صورت میں مفہوم ہوگا ایسے "اصحاب النار" (دوزخی) جو ہمیشہ اسی آگ میں رہیں گے"۔ اور دوسری صورت میں مفہوم ہوگا "ایسی آگ کے "اصحاب" (والے) جس میں ہمیشہ رہیں گے" تاہم سیدھی سادہ اور قابل فہم ترکیب یہی ہے کہ یہ جملہ (هم فيها خالدون) بھی (فاولئك اصحاب النار) کی طرح جوابِ شرط ہے یا مبتدأ (من كسب ۔ ۔ ۔ ۔ خطيئته) کی دوسری خبر ہے۔

⑥ والذين امنوا وعملوا الصلحت اولئك اصحب الجنة۔

[وَ] عاطفہ ہے جو جملے کو جملے سے ملاتی ہے [الذين] اسم موصول مبتدأ (لہٰذا) مرفوع ہے مگر مبنی ہونے کی بنا پر ظاہری علامتِ رفع سے خالی ہے۔ [امنوا] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعلین "هم" ہے اور یہ جملہ فعلیہ (فعل فاعل) ہو کر "الذين" کا صلہ ہے [وَ] عاطفہ ہے اور [عمِلوا] بھی فعل ماضی

© rasailojaraid

معروف مع ضمیر الفاعلین "ھم" ہے اور [الصّٰلحٰتِ] فعل "عملوا" کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے۔ علامتِ نصب آخری "ات" ہے جس میں معرف باللام ہونے کی وجہ سے ایک کسرہ (ـِ) آئی ہے۔ اور یہ "الصلحٰت" بھی دراصل ایک محذوف موصوف کی صفت ہے یعنی مفہوم "الاعمال الصالحات" کا ہے۔ یہ دوسرا جملہ (عملوا الصالحات) جو فعل فاعل مفعول پر مشتمل ہے، واو عاطفہ کے ذریعے پہلے جملۂ فعلیہ (اٰمنوا جو فعل مع فاعل ہے) پر عطف ہے (یعنی جن لوگوں میں "اٰمنوا" اور "عملوا الصالحات" والی دونوں باتیں جمع ہوں گی) اور یہ دونوں عطف معطوف جملے (اٰمنوا وعملوا الصالحات) اسم موصول "الذین" کا صلہ بنتے ہیں اور صلہ موصول مل کر (الذین ..... الصالحات) مبتدأ کا کام دے رہے ہیں [اولٰئِکَ] اسم اشارہ مبتدأ (لہٰذا یہاں) مرفوع ہے [اَصحابُ الجنۃِ] مضاف (اصحابُ) اور مضاف الیہ (الجنۃ) مل کر "اولٰئک" کی خبر ہے اسی لیے "اصحاب" مرفوع ہے علامتِ رفع "بُ" کا ضمہ (ـُ) ہے کیونکہ یہ بوجہ اضافت خفیف بھی ہے اور "الجنۃ" مجرور بالاضافہ ہے جس میں علامتِ جرّ آخری "ۃ" کی کسرہ (ـِ) ہے۔ اور یہ جملہ اسمیہ (اولٰئک اصحاب الجنۃ) صلہ موصول (الذین .... الصلحٰت) پر مشتمل مبتدأ کے لیے خبر کا کام دے رہا ہے۔

⑦ ھم فیہا خالدون

سابقہ جملے (۵) کی طرح ہے البتہ اس میں "فیہا" کی ضمیر مؤنث (ھا) "الجنۃ" کے لیے ہے۔ یہاں بھی "فیہا" خبر (خالدون) پر مقدم ہے اس لیے اس کا مفہوم "اسی میں" کا ہے۔ اور یہ فرق بھی ہے کہ یہ جملہ (ھم فیہا خالدون) کسی شرط کے جواب میں نہیں ہے (جیسا کہ جملہ ۵ تھا) بلکہ یہ پورا جملہ (جس کی سادہ نثر "ھم خالدون فیہا" بنتی ہے) "الذین" سے شروع ہونے والے (صلہ موصول مل کر بننے والے) مبتدأ (والذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت) کی خبر ثانی بنتا ہے (پہلی خبر "اولٰئک اصحٰب الجنۃ" تھی) اور اس جملہ (ھم فیہا خالدون) کو بھی "اصحاب" یا "الجنۃ" کی صفت یا حال بنانے کی کھینچا تانی کی جا سکتی ہے مگر خبر ثانی سمجھنا زیادہ قابلِ فہم ہے۔

۲:۵۰:۳ الرسم

زیر مطالعہ قطعہ آیات میں چار کلمات (خطیٓئتہ، اصحٰب، خلدون اور الصلحٰت) ایسے ہیں جن کا رسم قرآنی (عثمانی) ان کے عام رسم املائی سے مختلف ہے۔ ایک کلمہ (احاطت) کا رسم عثمانی مختلف فیہ ہے اور دو کلمات (اتّخذتم اور اولٰئک) ایسے ہیں جن کا رسم اگرچہ خلاف قیاس ہے تاہم ان کا رسم املائی اور رسم عثمانی مشترک (یکساں) ہے۔ تفصیل یوں ہے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

① "خَطِیْئَتُہٗ" جس کا رسم املائی "خَطِیْئَتُہٗ" ہے یعنی اس (رسم معتاد) میں تین نبرات (دندانے) ہیں۔ پہلا "ط" کے بعد والی "یا" کا۔ دوسرا اس کے بعد مرکز ہمزہ کے لیے (کیونکہ عام املاء میں ہمزہ متوسطہ متحرکہ بعد ساکن "یا" کے نبرہ پر لکھا جاتا ہے[1]) اور تیسرا (نبرہ) "تا" کے لیے ہے۔ مگر رسم عثمانی میں اس لفظ کی کتابت میں ہمزہ کے لیے کوئی مرکز بصورت "نبرۂ یا" نہیں لکھا جاتا۔ اس لیے کہ اس صورت میں دو "یا" (ط کے بعد والی اور مرکز ہمزہ والی) جمع ہو جاتی ہیں اور یہ قاعدہ (رسم عثمانی کا) پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ اس میں دو الف، دو واو اور دو "یا" آجائیں (جسے اجتماع مثلین کہتے ہیں) تو صرف ایک ہی حرف لکھا جاتا ہے[2]۔ البتہ اس کے بعض مستثنیات ہیں جو اپنی اپنی جگہ بیان ہوں گے۔ یہ لفظ بصورت واحد (خطیئۃ) اور بصورت جمع سالم (خطیئات) مفرد و مرکب صورتوں میں قرآن کریم کے اندر پانچ جگہ آیا ہے اور ہر جگہ اسی طرح (مرکز ہمزہ کے لیے نبرہ کے بغیر) لکھا جاتا ہے۔

② "اصحٰب" جس کا رسم املائی "اصحاب" ہے قرآن کریم میں یہاں اور ہر جگہ (اور یہ لفظ مختلف صورتوں میں ۸۰ کے قریب مقامات پر آیا ہے) بحذف الالف بعد الحاء یعنی بصورت "اصحٰب" لکھا جاتا ہے البتہ اس کا واحد "صاحب" (جو معرفہ نکرہ مذکر مؤنث مفرد مرکب شکلوں میں قریباً ۱۶ جگہ آیا ہے) عموماً باثبات الف لکھا جاتا ہے۔ اس کا مفصل بیان حسب موقع آئے گا۔ لفظ "اصحٰب" زیر مطالعہ عبارت میں بھی دو دفعہ آیا ہے۔

③ "خٰلدون" جس کی رسم املائی "خالدون" ہے۔ یہاں دونوں جگہ اور قرآن کریم میں ہر جگہ (اور یہ لفظ مختلف اعرابی صورتوں (رفع نصب جر) میں (خالدون/خالدین) ستر کے قریب جگہوں پر آیا ہے)۔ "بحذف الالف بعد الخاء" لکھا جاتا ہے۔ البتہ اس کا واحد (خالد) جو چار جگہ آیا ہے، عموماً باثبات الف لکھا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی مفصل بات حسب موقع ہو گی۔

④ "الصلحٰت" جس کا نام رسم املائی "الصالحات" ہے۔ قرآن کریم میں یہاں اور ہر جگہ (اور یہ لفظ اس طرح بصورت جمع مؤنث سالم معرفہ یا نکرہ قرآن کریم میں ساٹھ سے زائد مقامات پر آیا ہے) بحذف الالفین یعنی دونوں الف (ایک "ص" کے بعد دوسرا "ح" کے بعد) حذف کر کے لکھا جاتا ہے۔ اگرچہ پڑھے

---

[1] رسم املائی کے اس قاعدہ کے لیے دیکھئے نخبۃ الاملاء (للخلیفہ) ص ۱۰-۱۱۔ اور کتاب الکتاب ص ۱۶۔

[2] رسم عثمانی کے اس قاعدہ کے لیے دیکھئے نثر المرجان ۱: ۱۷۴، والمقنع (للدانی) ص ۴۹۔ نیز دیکھئے اسی کتاب میں [۲:۲۲:۳] کلمہ "انبئونی" کا رسم۔ جہاں یہ قاعدہ بیان ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

دونوں الف جاتے ہیں اور ضبط کے مختلف طریقوں سے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اس کے واحد مذکر (صالح) اور جمع (صالحون) نیز تثنیہ (صالحین) وغیرہ کے رسم عثمانی پر حسب موقع بات ہوگی۔

⑤ "اَحَاطَتْ" یہ لفظ اس صورت میں (فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب) قرآن کریم میں صرف اسی ایک جگہ آیا ہے۔ الدانی نے اس کے حذفِ الف بعد الحاء کا کہیں ذکر نہیں کیا جو اس (الف) کے اثبات کو مستلزم ہے بلکہ علامہ ارکاتی نے اس کے "اثبات الالف بعد الحاء المھملہ" پر اتفاق بیان کیا ہے کیونکہ یہ "الف" "واو" کی بدلی ہوئی صورت ہے[1]۔ تاہم ابوداؤد کی طرف منسوب قول کی بنا پر اسے بحذف الالف بعد الحاء لکھا جاتا ہے[2]۔ چنانچہ لیبیا اور ایشیائی ممالک (برصغیر، ایران، ترکی وغیرہ) کے مصاحف میں اسے باثباتِ الف (اَحَاطَتْ) لکھا جاتا ہے جب کہ بیشتر عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں اسے بحذفِ الف (اَحٰطَتْ) لکھا گیا ہے۔ ویسے بابِ افعال سے اس فعل کا صیغہ ماضی واحد مذکر غائب (احاط) جو قرآن کریم میں پانچ جگہ آیا ہے ہر جگہ باتفاق اثباتِ الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے (یعنی "احاط")

⑥ "اَتَّخَذْتُمْ" جو دراصل "أَ اِتَّخَذْتُمْ" ہے جس میں پہلا ہمزہ استفہام اور دوسرا ہمزۃ الوصل ہے۔ رسم عثمانی میں (اور بعض دفعہ رسم املائی میں بھی) کئی مواقع پر ہمزۃ الوصل کتابت سے بھی ساقط کر دیا جاتا ہے اس کے بعض مواقع پہلے گزر چکے ہیں (مثلاً "للمتقین" ۲:۱:۲ میں) اور بعض آگے آئیں گے۔ ہمزۃ الوصل کے کتابت سے ساقط ہونے کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ اگر ہمزۂ استفہام کے معاً بعد ہمزۃ الوصل مکسور (ـِ والا) آئے (جو عموماً خماسی یعنی "پانچ حرفی" اور سداسی یعنی "چھ حرفی" ماضی یا اس کے مصدر میں ہوتا ہے) تو یہ ہمزۃ الوصل لکھنے میں گرا دیا جاتا ہے (پڑھا تو ویسے بھی نہ جاتا) اس کی ایک مثال یہ (زیر مطالعہ) لفظ "اَتَّخَذْتُمْ" ہے اس کے علاوہ اس قسم کے کئی الفاظ مثلاً "اَطَّلَعَ" (مریم: ۷۸) "أَسْتَكْبَرْتَ" (الزمر: ۷۵) اور "اَفْتَرٰى" (سبا: ۸) وغیرہ ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا۔ اگر ہمزۂ استفہام اور ہمزۂ وصل کے درمیان کوئی اور حرف آجائے تو ہمزۃ الوصل کتابت میں برقرار رہے گا (اگرچہ تلفظ میں نہیں آئے گا) مثلاً "أَفَاتَّخَذْتُمْ" (الرعد: ۱۶) میں۔ اسی طرح اگر ہمزۂ استفہام کے معاً بعد ہمزۃ الوصل مفتوح (ـَ والا) آئے تو اس کا الگ قاعدہ ہے جو اپنی جگہ بیان ہوگا۔ ہمزۂ استفہام کے بعد مکسور

---

[1] دیکھئے نثر المرجان ۱: ۱۷۳

[2] سمیر الطالبین ص ۴۴

© rasailojaraid.com

ہمزۃ الوصل کے کتابت سے ساقط ہونے کا قاعدہ رسم املائی میں بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے[1]۔ اس طرح یہ لفظ (اتَّخَذْتم) رسم عثمانی اور رسم املائی دونوں میں بحذفِ ہمزۃ الوصل لکھا جاتا ہے۔

(۷) "اولئک" بھی ان کلمات میں سے ہے جن کا رسم املائی بھی خلافِ قیاس اور رسم عثمانی ہی کی یادگار ہے اس لفظ کے رسم پر البقرہ: ۵ کی بحث الرسم یعنی [۲:۴:۳] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

۲:۵۰:۴ الضبط

زیر مطالعہ تین آیات کے کلمات میں ضبط کے تنوع کو مندرجہ ذیل مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے ان میں سے بیشتر کلمات کے ضبط کی مثالیں پہلے بھی گزر چکی ہیں۔ تفصیل یوں ہے۔

وَ، وَ / قَالُوْا، قَالُوا، قَالُوْا، فَالُوْا / لَنْ، لَن، لَنْ / تَمَسَّنَا،
تَمَسَّنَا / النَّارُ، النَّارُ، اَلنَّارُ، اَلنَّارُ / اِلَّا، اِلَّا، اِلَّا، اِلَّا / لَا
اَيَّامًا، اَيَّامًا، اَيَّامًا، اَيَّامًا / مَعْدُوْدَةً، مَعْدُوْدَةً، مَعْدُوْدَةً، مَعْدُوْدَةً /
قُلْ، قُلْ / اَتَّخَذْتُمْ، اَتَّخَذْتُمْ، اَتَّخَذْتُمْ / عِنْدَ، عِنْدَ، عِنْدَ،
عِنْدَ / اللّٰهِ، اللّٰهِ، اللّٰهِ / عَهْدًا، عَهْدًا / فَلَنْ، فَلَن، فَلَنْ /
يُّخْلِفَ، يُّخْلِفَ / اللّٰهُ (مثل سابق) عَهْدَهٗ، عَهْدَهٗ، عَهْدَهٗ / اَمْ، اَمْ، اَمْ /
تَقُوْلُوْنَ، تَقُوْلُوْنَ، تَقُوْلُوْنَ / عَلَى، عَلَى / اللّٰهِ (مثل سابق) مَا،
مَا، مَا / لَا، لَا، لَا / تَعْلَمُوْنَ، تَعْلَمُوْنَ، تَعْلَمُوْنَ / بَلٰى، بَلٰى، بَلٰى /
مَنْ، مَنْ، مَنْ / كَسَبَ، كَسَبَ / سَيِّئَةً، سَيِّئَةً، سَيِّئَةً / وَ
وَ، وَ / اَحَاطَتْ، اَحَاطَتْ، اَحَاطَتْ، اَحَاطَتْ (بحذفِ الف) / بِهٖ، بِهٖ

[1] اس قسم کے کلمات کے رسم عثمانی میں قاعدہ کے لیے دیکھئے المقنع (للدانی) ص ۲۹۔ دلیل الحیران (المارغنی) ص ۹۷، سمیر الطالبین (الضباع) ص ۷۷۔ اور رسم املائی کے قاعدہ کے لیے دیکھئے کتاب الکتاب (لابن درستویہ) ص ۱۲ نیز نخبۃ الاملاء (للخلیف) ص ۵۲۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

بِہٖ/ خَطِیْئَتُہٗ، خَطِیْئَتُہٗ، خَطِیْـَٔتُہٗ/ فَاُولٰٓئِکَ، فَاُولٰٓئِکَ،
فَاُولٰٓئِکَ، فَاُولٰٓئِکَ/ اَصْحٰبُ، اَصْحٰبُ، اَصْحٰبُ/ النَّار (مثل سابق)
ہُمْ، ہُمْ/ فِیْہَا، فِیْہَا، فِیْہَا، فِیْہَا/ خٰلِدُوْنَ، خٰلِدُوْنَ،
خٰلِدُوْنَ/ وَالَّذِیْنَ، الَّذِیْنَ، الَّذِیْنَ، اَلَّذِیْنَ/ اٰمَنُوْا، اٰمَنُوْا،
اٰمَنُوْا، اٰمَنُوْا/ وَعَمِلُوا، عَمِلُوْا، عَمِلُوْا/ الصّٰلِحٰتِ،
الصّٰلِحٰتِ، الصّٰلِحٰتِ/ اُولٰٓئِکَ (مثل سابق) اَصْحٰبُ (مثل سابق)
الْجَنَّۃِ، الْجَنَّۃِ، الْجَنَّۃِ/ ہُمْ/ فِیْہَا/ خٰلِدُوْنَ (ہر سہ مثل سابق)

© rasailojaraid.co

TO CHRISTIANS WITH LOVE

Based on the lectures delivered by
Dr. Israr Ahmad

Price Rs. 8.00

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an, Lahore

© rasailojaraid.co